HJRS HEC Journal Recognition System

AL-HAYAT Research Journal

ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

Volume 3 Issue 2 Jan-March 2026)

اسلامی تعلیمات وجدید معاشروں میں سماجی تکثیریت کا کردار اور رواداری

Islamic Teachings and the Role of Social Pluralism and Tolerance in Modern Societies

Syed Zawar Hussain

PhD Scholar, Department of Islamic Studies

National College of Business Administration and Economics, Bahawalpur Campus

Email: zawarsyed30@gmail.com

Dr. Muhammad Azam

Assistant Professor, Islamic Studies

National College of Business Administration and Economics, Bahawalpur

Email: azam.panuhan@gmail.com

Abstract

This research article presents an analysis of the concepts of social pluralism and tolerance within Islamic teachings from historical, exegetical, and social perspectives. The increasing cultural, religious, and linguistic diversity in modern societies has created new challenges for peaceful coexistence. This research demonstrates that Islamic sources (the Quran, Sunnah, and jurisprudence) not only acknowledge pluralism but consider it a part of divine wisdom. Practical models are presented in light of the Constitution of Medina (Sahifah al-Madinah), the civilization of Andalusia (Convivencia), and the Ottoman Millet system. In the modern context, under the framework of Fiqh al-Aqalliyyat (Jurisprudence of Minorities) and Maqasid al-Shariah (Objectives of Islamic Law), social pluralism can be utilized for national unity, prevention of extremism, and interfaith dialogue. The research concludes that intolerance in contemporary Muslim societies is not a flaw of Islam but rather the result of historical and political factors, and that by highlighting the principle of Wasatiyyah (moderation) present in Islamic teachings, internal and external conflicts can be resolved.

Keywords: *Social Pluralism, Tolerance, Constitution of Medina, Fiqh al-Aqalliyyat, Maqasid al-Shariah, Dhimmi, Interfaith Dialogue*

تعارف

اکیسویں صدی نے عالمی سطح پر ثقافتی، مذہبی اور لسانی تنوع میں غیر معمولی اضافہ دیکھا ہے۔ عالمگیریت، نقل مکانی کی لہروں اور مواصلاتی انقلاب نے پہلے سے یکجہتی معاشروں کو بھی کثیر الثقافتی منظر نامے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ تنوع جہاں انسانی تہذیب کے لیے باعثِ دولت ہے، وہیں مذہبی امتیاز، نسلی کشیدگی اور سیاسی انتہاپسندی جیسے مسائل کو بھی جنم دیتا ہے۔ اس تناظر میں سماجی تکثیریت ایک عملی حکمت عملی کے طور پر ابھری ہے جو تنوع کو منظم کرتے ہوئے سماجی ہم آہنگی کو برقرار رکھتی ہے۔

مغربی مباحث میں اکثر اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مذہبی رواداری اور تکثیریتی بقائے باہمی کے ساتھ عدم مطابقت رکھتا ہے۔ مستشرقین کی تحریروں میں اسلام کو اکثر غیر روادار اور جبری مزاج کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ صدیوں پر محیط پر امن بقائے باہمی کی تاریخی مثالوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ اسی علمی خلا

CC BY

کو پر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مقالے کا مرکزی دعویٰ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سماجی تکثیریت کے لیے مضبوط نظریاتی بنیاد فراہم کرتی ہیں، اور عصری مسلم معاشروں میں پائی جانے والی عدم رواداری دراصل مذہبی تعلیمات کی بجائے مخصوص تاریخی اور سیاسی عوامل کا نتیجہ ہے۔

تحقیقی سوالات

یہ تحقیق درج ذیل تحقیقی سوالات کے جوابات تلاش کرتی ہے:

1. قرآن وسنت میں سماجی تکثیریت کی نظریاتی بنیادیں کیا ہیں؟

2. تاریخ اسلام میں تکثیریت کے کون سے عملی نمونے موجود ہیں؟

3. عصری مسلم معاشرے عدم رواداری اور فرقہ واریت کا شکار کیوں ہیں؟

4. جدید سیاق وسباق میں تکثیریتی روایات کو زندہ کرنے کے لیے کن قانونی اور تعلیمی اصلاحات کی ضرورت ہے؟

اسلوب تحقیق

یہ تحقیق ایک تجزیاتی اور تفسیری مطالعہ ہے جو اولیٰ مصادر (قرآن، صحیحین، تفاسیر، فقہ کی کلاسیکی کتابیں) کے متنی تجزیہ اور تاریخی کیس اسٹڈیز کے امتزاج پر مبنی ہے۔ ثانوی مصادر میں یوسف القرضاوی، طارق رمضان، عبداللہ احمد النعیم، اور محمد ہاشم کمالی جیسے جدید اسلامی اسکالرز کے ساتھ ساتھ مغربی مستشرقین کے علمی کام بھی شامل ہیں۔

قرآن مجید میں تکثیریت کی نظریاتی بنیادیں

قرآن مجید انسانی تنوع کو ایک حادثہ یا لعنت نہیں بلکہ ایک الٰہی حکمت اور نشانی قرار دیتا ہے۔ سورہ روم (22:30) میں ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ۔[1]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں عالمین کے لیے۔

اس آیت میں اختلاف کو عین الٰہی حکمت اور نشانی قرار دیا گیا ہے۔ سید قطب اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت تنوع کو ایک سنت کونیہ (عالمگیر قانون) قرار دیتی ہے نہ کہ عارضی کیفیت۔[2]

سورہ حجرات (13:49) میں مزید وضاحت کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔[3]

---

[1] الروم، 30:22

[2] قطب، 1979، ج6، ص234

[3] الحجرات، 49:13

OPEN ACCESS

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

عبدالکریم الخطیب اپنی تفسیر القرآن للحیات میں کہتے ہیں کہ لِتَعَارَفُوا کا مفہوم دوسرے کو پہچاننا اور اس کے ساتھ مثبت تعلق قائم کرنا ہے، نہ کہ دشمنی یا برتری۔([4])

سماجی تکثیریت کا سب سے اہم قرآنی اصول سورہ مائدہ (48:5) میں موجود ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔[5]

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور راہ کار مقرر کر دی تھی۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ تمہیں اس میں آزماتا ہے جو اس نے دیا ہے۔ لہٰذا بھلائیوں میں مقابلہ کرو۔

اس آیت میں متعدد اہم نکات ہیں۔ پہلا، متعدد شرائع اور مناہج کا اعتراف مختلف مذہبی برادریوں کے الگ الگ راستوں کو الٰہی منشاء قرار دیتا ہے۔ دوسرا، "لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً" کا جملہ واضح کرتا ہے کہ مذہبی یکسانیت کبھی الٰہی منشاء نہیں رہی۔ تیسرا، "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" (بھلائیوں میں مقابلہ کرو) کا حکم نظریاتی یکسانیت سے ہٹ کر اخلاقی عمل کو معیارِ برتری قرار دیتا ہے۔ محمد عبدہ اپنی تفسیر المنار میں کہتے ہیں کہ یہ آیت مذہبی کثرت کو الٰہی قانون قرار دیتی ہے۔[6]

سورہ بقرہ (256:2) میں ارشاد ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔([7])

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ طبری کے مطابق بعض مفسرین نے اسے منسوخ قرار دیا جبکہ طبری خود اسے نافذ العمل مانتے ہیں۔ جدید مفسرین جن میں محمد عبدہ اور رشید رضا شامل ہیں، اسے بنیادی اصول قرار دیتے ہیں جو مستقل طور پر مذہبی آزادی قائم کرتا ہے۔([8])

سنت نبوی میں رواداری اور تکثیریت

نبوی روایات میں تکثیریت اور رواداری کی متعدد عملی مثالیں موجود ہیں۔ فتح مکہ (8 ہجری) کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے بیس سالہ ایذا رسانی اور جلاوطنی کے بعد فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہوئے عام معافی کا اعلان فرمایا:

اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔[9]

ترجمہ: جاؤ، تم سب آزاد ہو۔

---

[4] عبدالکریم الخطیب، تفسیر القرآن للحیات، 7/89

[5] المائدہ، 5:48

[6] عبدہ، 1972، ص 138

[7] البقرہ، 2:256

[8] الطبری، 1954، ج 2، ص 256

[9] ابن کثیر، 1988، ج 5، ص 156

OPEN ACCESS

ابن کثیر کے مطابق نبی کریم ﷺ نے تمام قریشیوں کو معاف کر دیا، صرف چند مخصوص مجرموں کو چھوڑ کر جن کے خلاف مقدمات تھے۔ اس اقدام نے سیاسی مفاہمت کی ایک ایسی مثال قائم کی جہاں سابقہ دشمنوں کو تباہ یا محکوم بنانے کے بجائے معاشرے میں ضم کر دیا گیا۔

نجران کے عیسائی وفد کا استقبال (10 ہجری) بین المذاہب احترام کی ایک اور مثال ہے۔ ابن ہشام کے مطابق نجران سے تقریباً ساٹھ عیسائی مدینہ منورہ میں آئے اور مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ سے مذہبی مباحثے کیے۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ انہیں اپنی عبادت کرنے دیں۔ وفد نے مسجد ہی میں اپنی عیسائی عبادت (لتھرجی) کی جبکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ یوسف القرضاوی اس واقعے کو اس اصول کے قیام کے لیے پیش کرتے ہیں کہ مساجد خصوصی طور پر مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ بعض شرائط کے تحت دوسرے مذاہب کی عبادت کو بھی جگہ دے سکتی ہیں۔[10]

یہودی پڑوسی کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ایک یہودی خاتون روزانہ نبی کریم ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی۔ جب وہ ایک دن بیمار پڑ گئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کی عیادت کی۔ اس خاتون نے حیرت کا اظہار کیا کہ آپ اس کی عیادت کیوں کر رہے ہیں جس نے آپ کو ہمیشہ تکلیف دی۔ نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: میں تمہارے دین کی وجہ سے نہیں آیا، میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پڑوسی ہو۔([11])

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جنازے کے قریب کھڑے ہو کر احترام کیا۔ بتایا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ایک انسان نہیں ہے؟[12] امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ہر انسان کا دین سے قطع نظر احترام کرنے کو واجب قرار دیتی ہے۔[13]

فقہ میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق

کلاسیکی اسلامی فقہ نے غیر مسلم مستقل رہائشیوں (اہل الذمہ) کے حقوق اور فرائض کا ایک تفصیلی نظام وضع کیا۔ اگرچہ مخصوص قانونی تفصیلات مختلف مکاتب فکر اور ادوار میں مختلف رہی ہیں، بعض بنیادی اصول مستقل رہے۔

ابو الحسن الماوردی اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں ذمیوں کے حقوق کا خاکہ پیش کرتے ہیں: ان کی جانیں اور اموال مسلمانوں کی جانیں اور اموال کی طرح محفوظ ہیں، انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، وہ اپنی عبادت گاہوں میں آزادانہ طور پر اپنی مذہبی رسومات ادا کر سکتے ہیں، وہ اپنے ذاتی قوانین (شادی، طلاق، وراثت) کے پابند ہوں گے، وہ چاہیں تو اسلامی عدالتوں کا رخ کر سکتے ہیں لیکن مجبور نہیں کیے جا سکتے، اور وہ جزیہ ادا کرنے کے بدلے فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں۔[14]

ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب احکام اہل الذمہ میں لکھتے ہیں کہ ذمی کے حقوق کی کوئی بھی خلاف ورزی اس عہد (ذمہ) کی خلاف ورزی ہے جو نبی کریم ﷺ کے عہد کی خلاف ورزی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "جس نے کسی ذمی کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی۔" اگرچہ اس لفظ کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف محدثین میں اختلاف ہے، ابن قیم اسے اصولی طور پر پیش کرتے ہیں۔([15])

---

[10] القرضاوی، 2001، ص 87

[11] صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر 6016

[12] سنن ابی داود، کتاب الجنائز، حدیث نمبر 3205

[13] النووی، 1995، ج 7، ص 63

[14] الماوردی، 1996، ص 204

[15] ابن قیم، 1961، ص 156

OPEN ACCESS

امام ابو حنیفہ کا موقف ہے کہ ذمی مسلمانوں کی طرح جان، مال اور عزت کے تحفظ کے مستحق ہیں۔ امام سرخسی المبسوط میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے یہ فتویٰ دیا کہ جو مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے، وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یہ موقف دوسرے مکاتب فکر سے مختلف ہے جو ذمی کے قتل پر قصاص کو لازم نہیں سمجھتے۔(16) یہ کلاسیکی فقہ میں غیر مسلم کی زندگی کے تحفظ کا سب سے مضبوط موقف ہے۔

تاہم یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کلاسیکی فقہ میں ذمیوں پر بعض پابندیاں بھی عائد تھیں، جیسے نئی عبادت گاہوں کی تعمیر پر پابندی، مذہبی علامتوں کی عوامی نمائش پر پابندی، گھوڑوں پر سوار ہونے اور ہتھیار رکھنے پر پابندی۔ یہ پابندیاں وقت اور جگہ کے لحاظ سے مختلف تھیں۔ عبد اللہ احمد النعیم جیسے جدید اسکالرز کا کہنا ہے کہ یہ پابندیاں اپنے تاریخی سیاق وسباق کی پیداوار تھیں (خاص طور پر مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے درمیان مسلسل جنگ کی حالت) اور جدید قومی ریاستوں میں پابند نہیں جہاں مسلمان اور غیر مسلم شریک شہری ہیں۔(17)

مدینہ کا آئین (صحیفہ مدینہ)

مدینہ کا آئین (صحیفہ مدینہ) انسانی تاریخ کا پہلا تحریری آئینی دستاویز ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسے "دنیا کا پہلا تحریری آئین" قرار دیتے ہیں جو جدید آئینوں سے ہزاروں سال پہلے وجود میں آیا۔(18) یہ دستاویز 622 سے 624 عیسوی کے درمیان وضع کی گئی اور مدینہ کی کثیر المذہبی برادری کے لیے قانون کا کام کرتی تھی۔

مائیکل لیکر، جس نے اس دستاویز پر سب سے جامع جدید تحقیق کی ہے، درج ذیل اہم دفعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ دستاویز مہاجرین، انصار اور مدینہ کے یہودی قبائل (بنی قینقاع، بنی النضیر، بنی قریظہ) پر مشتمل ایک سیاسی برادری (امت واحدہ) قائم کرتی ہے۔(19)

دستاویز کی دفعات میں سے ایک میں ہے: "بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک امت ہیں۔ یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین۔" یہ سیاسی اتحاد قائم رکھتے ہوئے مذہبی خود مختاری قائم کرتا ہے۔

دیگر دفعات کے مطابق اگر مدینہ پر بیرونی حملہ ہو تو تمام دستخط کنندگان (یہودی، مسلمان، دیگر) اپنے اخراجات پر دفاع میں شریک ہوں گے۔ البتہ یہودی مدینہ کی سرزمین سے باہر جارحانہ کارروائیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونے کے پابند نہیں تھے۔

ایک اور شق کے مطابق دستاویز کے لوگوں کے درمیان کوئی بھی اختلاف یا تنازع جس سے شر کا اندیشہ ہو، اسے اللہ اور محمد رسول اللہ کے حوالے کیا جائے گا۔(20) یہ ایک متحدہ عدالتی اتھارٹی قائم کرتا ہے جبکہ مذہبی تنوع کو محفوظ رکھتا ہے۔

مونٹگمری واٹ کا کہنا ہے کہ مدینہ کا آئین ثابت کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سیاسی برادری بنیادی طور پر تکثیریتی تھی۔ مسلم اور مومن کی اصطلاحات میں فرق تھا، اور مومن کی اصطلاح تمام موحدین (یہودی، عیسائی، مسلمان) پر لاگو ہوتی تھی۔(21)

---

16 السرخسی، 1978، ج8، ص312

17 النعیم، 2008، ص56

18 حمید اللہ، 1975، ص3

19 لیکر، 2004، ص44

20 حمید اللہ، 1975، ص29

21 مونٹگمری واٹ، ص221

CC BY

اندلس کا سنہری دور (Convivencia)

اسپین میں مسلم حکومت (711-1492 عیسوی) کے دور نے ایک ایسا سماجی ماحول پیدا کیا جسے ہسپانوی مورخین "Convivencia" (بقائے باہمی) کہتے ہیں، جہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی عام طور پر روادارانہ ماحول میں ساتھ رہتے تھے۔ اگرچہ حالیہ تحقیق نے کامل ہم آہنگی کے رومانوی تصور پر سوال اٹھائے ہیں، بین المذاہب تعاون کے شواہد ناقابل تردید ہیں۔

ماریہ روزا مینوکال کے مطابق دسویں صدی کے قرطبہ میں عیسائی اور یہودی آزادانہ طور پر خلافت کی اعلیٰ تہذیب میں شریک تھے، وہ طبیب، مترجم، منتظم اور عالم کے طور پر خدمات انجام دیتے تھے۔ (مینوکال، 2002، ص 45) حسدائی ابن شپروط، ایک یہودی طبیب اور سفارت کار، خلیفہ عبد الرحمان سوم کے وزیر خارجہ کے طور پر کام کرتا تھا۔ بشپ ریسیمنڈ آف ایلویئرا کو خلیفہ الحکم دوم نے مقدس رومی شہنشاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔

بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں طلیطلہ (Toledo) میں ترجمے کی تحریک نے بین المذاہب تعاون کی سب سے اہم مثال قائم کی۔ جیرارڈ آف کریما، ایک اطالوی عیسائی، نے یہودی اور مسلم اسکالرز کی مدد سے ستر سے زائد کتابوں کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ ان تراجم نے ارسطو، جالینوس، الخوارزمی اور ابن سینا کو قرون وسطیٰ کے یورپ تک پہنچایا، جس نے نشاۃ ثانیہ اور اسکالسٹک احیاء کی بنیاد رکھی۔ [22]

تاہم Convivencia کی اپنی حدود بھی تھیں۔ المرابطین اور الموحدین (گیارہویں تا تیرہویں صدی) کے بربر بنیاد پرست دور میں یہودیوں کے قتل عام، عیسائیوں پر شدید پابندیاں، اور جبری تبدیلی مذہب کے واقعات پیش آئے۔ میمونائڈز (Maimonides)، قرون وسطیٰ کے عظیم ترین یہودی فلسفی، کو 1148 میں قرطبہ سے فرار ہو کر قاہرہ میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ [23]

ڈیوڈ نیرنبرگ کا متوازن موقف ہے کہ Convivencia حقیقی تھا مگر نازک۔ رواداری جدید مساوات کے تصور پر مبنی نہیں بلکہ عملی انتظامات پر مبنی تھی جو معاشی یا عسکری دباؤ میں ٹوٹ جاتی تھی۔ بہر حال اندلس کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ مسلم اکثریتی معاشروں نے تاریخی طور پر مذہبی تنوع کو بیشتر قبل از جدید مسیحی ریاستوں سے زیادہ کامیابی سے منظم کیا۔

عثمانی ملت نظام

سلطنت عثمانیہ نے پندرہویں صدی سے "ملت" (Millet) کا نظام متعارف کرایا جس کے تحت ہر بڑے غیر مسلم مذہبی گروہ کو اپنے اراکین کے ذاتی معاملات، تعلیم اور مذہبی اداروں پر خود مختاری حاصل تھی۔

سلطان محمد فاتح نے 1453 میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد یونانی آرتھوڈوکس پیٹریارک کو سلطنت کے تمام آرتھوڈوکس عیسائیوں پر اختیار دے دیا۔ آرمینیائی رسولی چرچ کو آرمینیائیوں پر اور چیف ربی کو یہودی برادریوں پر اسی طرح کا اختیار ملا۔ ہر ملت اپنا ٹیکس جمع کرتی تھی، خاندانی قوانین کے لیے اپنی عدالتیں چلاتی تھی، اور اپنا تعلیمی نظام برقرار رکھتی تھی۔ [24]

---

[22] کولنز، 1989، ص 234

[23] آرمسٹرانگ، 2014، ص 182

[24] لیوس، 1998، ص 156

CC BY

کیرن بارکے کے مطابق ملت نظام رواداری کو ایک قدر کے طور پر اپنانے کی بجائے عملی حکمرانی پر مبنی تھا۔ مذہبی رہنماؤں کو مقامی اختیار سونپ کر عثمانی ریاست نے انتظامی اخراجات کم کیے اور بغاوتوں کو روکا۔ بہر حال اس کا عملی نتیجہ بلقان اور اناطولیہ میں صدیوں کا پر امن بقائے باہمی تھا، یہ وہ خطہ ہے جہاں سلطنت کے خاتمے کے بعد نسلی صفائی اور نسل کشی ہوئی۔

ملت نظام کی اپنی حدود تھیں۔ غیر مسلم قانون کے اعتبار سے دوسرے درجے کے شہری تھے، انہیں فوجی اور بیشتر سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ تاہم بینجمن براؤڈ کے مطابق یہ پابندیاں یکساں طور پر نافذ نہیں کی جاتی تھیں، اور بعض یہودی اور عیسائی اعلیٰ عہدوں تک پہنچے، بشمول وزیر خارجہ (فناریوٹ یونانی) اور سلطان کے چیف بینکر (ازمیر کے ڈونڈے خاندان)۔([25])

انیسویں صدی میں یورپی طاقتوں کے دباؤ پر یہ نظام ٹوٹنا شروع ہوا جو عیسائی رعایا کے لیے مساوی حقوق کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ تنظیمات (Tanzimat) اصلاحات (1839-1876) نے باضابطہ طور پر ذمی کا درجہ ختم کر دیا اور تمام عثمانی شہریوں کو مذہب سے قطع نظر برابر قرار دے دیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان اصلاحات نے بین المذاہب تشدد میں اضافہ کر دیا کیونکہ انہوں نے ملت نظام کی ثالثی والی خود مختاری کو ختم کر دیا اور برادریوں کو براہ راست سیاسی مقابلے پر مجبور کر دیا۔[26]

عصری مسلم معاشروں میں سماجی تکثیریت

عصری مسلم معاشرے تکثیریت کے نفاذ میں سنگین چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ گلوبل ٹیررازم انڈیکس 2024 کے مطابق اگرچہ عالمی سطح پر دہشت گردی میں کمی آئی ہے، پاکستان، افغانستان، صومالیہ اور ساحل خطہ میں مذہبی طور پر محرک تشدد کی بلند سطح جاری ہے۔([27]) پیو ریسرچ سینٹر کے 2023 کے سروے کے مطابق پہلی بار عالمی تاریخ میں مذہب سے متعلق سماجی مخاصمت مغرب میں کم ہوئی ہیں جبکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں بلند ہیں۔
یہ اعداد و شمار کسی مسلم کمزوری کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ مخصوص سیاسی اور تاریخی عوامل کی عکاسی کرتے ہیں۔ جان ایسپوزیٹو عصری مسلم عدم رواداری کی تین بنیادی وجوہات بتاتے ہیں۔ پہلی، استعمار کا ورثہ جس نے روایتی تکثیریتی نظم (جیسے عثمانی ملت نظام) کو منظم طریقے سے تباہ کیا اور ان کی جگہ مرکزی قومی ریاستیں قائم کیں جنہوں نے مذہبی برادریوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا۔([28])

دوسری، 1970 کی دہائی سے پیٹروڈالر سے مالی اعانت یافتہ وہابی-سلفی نظریے کا عروج جس نے اسلام کا ایک ایسا غیر روادار ورژن برآمد کیا جو تصوف، اہل تشیع، اور غیر مسلموں کے خلاف ہے۔ یہ نظریاتی منصوبہ، جسے سعودی عرب نے امریکہ کی سرد جنگ کے دوران براہ راست حمایت سے مالی اعانت دی، نے ایک ہی نسل میں مسلم معاشروں کے مذہبی منظرنامے کو تبدیل کر دیا۔([29])

تیسری، مسلم دنیا میں سیاسی آمریت نے کسی بھی جائز عوامی اظہار رائے کو روک دیا ہے۔ جمہوری سیاسی اظہار کی عدم موجودگی میں، مذہبی شناخت مخالفت کے لیے واحد دستیاب گاڑی بن جاتی ہے، جس سے مذہب کی سیاسی کاری اور انتہاپسندی پیدا ہوتی ہے۔ اولیور رائے ظاہر کرتا ہے کہ اسلامائی انتہاپسندی اسلامی الٰہیات سے کم اور سیاسی بیگانگی اور ریاستی ناکامی سے زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

---

[25] براؤڈ، 1982، ص 74

[26] النعیم، 2008، ص 98

[27] انسٹی ٹیوٹ فار اکنامکس اینڈ پیس، 2024، ص 9

[28] ایسپوزیٹو، 2010، ص 156

[29] آرمسٹرانگ، 2014، ص 231

CC BY

عصری مسلم معاشروں کو فرقہ واریت (سنی-شیعہ تنازع، دیوبندی-بریلوی تنازع) اور نسلی قوم پرستی کے اندرونی چیلنجز بھی ہیں۔ پاکستان، جو جنوبی ایشیائی مسلمانوں کے لیے ایک وطن کے طور پر بنایا گیا، 1980 کی دہائی سے تباہ کن فرقہ وارانہ تشدد کا سامنا کر رہا ہے۔ خالد احمد کا کہنا ہے کہ یہ تنازع کلاسیکی اسلامی الہیات میں جڑا ہوا نہیں ہے بلکہ جدید سیاسی مسابقت میں ہے جو فرقہ وارانہ شناختوں کو پراکسی مارکر کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ ([30])

فقہ اقلیات: ایک عصری فقہی فریم ورک

یورپ، شمالی امریکہ اور دیگر غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلم اقلیتی برادریوں کی نئی حقیقت کے جواب میں، معاصر اسکالرز نے فقہ کا ایک نیا شعبہ تیار کیا ہے جسے "فقہ الاقلیات" کہتے ہیں۔ اس شعبے میں علمبردار شخصیت یوسف القرضاوی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "فی فقہ الاقلیات المسلمہ" میں رہنما اصول وضع کیے ہیں۔

القرضاوی فقہ الاقلیات کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ فقہی احکام ہیں جو مسلم اقلیتوں کے مخصوص حالات کو مدنظر رکھتے ہیں، ان کی کمزوری، اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھنے کی ضرورت، اپنے غیر مسلم معاشروں کے لیے ذمہ داریوں، اور پرامن بقائے باہمی کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ([31])

اقلیتی فقہ کا طریقہ کار ظاہری نصوص کی بجائے مقاصد شریعت کے اندر رخصت کا تصور ہے۔ القرضاوی کا کہنا ہے کہ جب مسلمان اقلیت میں ہوں اور بعض احکام پر عمل کرنے میں حقیقی مشقت کا سامنا کریں (مثلاً کام کے شیڈول کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں دشواری، یا حلال گوشت کی عدم دستیابی)، تو وہ ان رخصتوں سے استفادہ کر سکتے ہیں جو عام طور پر مسلم اکثریتی ممالک میں جائز نہیں ہیں۔

طارق رمضان نے اپنے "مصنوعی فقہ" (Contextualized Jurisprudence) کے تصور سے اسے مزید ترقی دی۔ رمضان کا کہنا ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کی کلاسیکی فقہی تقسیمیں ایک عالمگیر دنیا میں متروک ہو چکی ہیں جہاں مسلمان غیر مسلم ریاستوں میں مکمل حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ شہری ہیں۔ یہ کلاسیکی تقسیمیں مسلسل جنگ کی حالت کو فرض کرتی ہیں جو اب موجود نہیں ہے۔

اس کے بجائے رمضان "دار الشہادہ" (گواہی کا دائرہ) کا تصور پیش کرتے ہیں، جہاں مسلمان اپنے ایمان کی گواہی سیاسی تسلط کے ذریعے نہیں بلکہ اخلاقی مثال اور شہری شرکت کے ذریعے دیتے ہیں۔ اس فریم ورک میں مغربی معاشروں میں مسلم شہریت نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ یہ عمل کے ذریعے دعوت کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

طفیل احمد اقلیتی فقہ کے کلیدی عملی احکامات بیان کرتے ہیں۔ غیر مسلم ممالک میں مسلمان سود پر رہن (Mortgage) لے سکتے ہیں اگر کوئی متبادل نہ ہو اور انہیں واقعی رہائش کی ضرورت ہو۔ وہ ان کاموں میں کام کر سکتے ہیں جن میں غیر حلال مصنوعات شامل ہوں اگر کام خود حرام پیدا نہ کر رہا ہو (جیسے شراب بیچنے والے کیشئر کا کام جائز ہے اگرچہ شراب خود حرام ہے)۔ وہ مکمل طور پر سیاسی عمل میں حصہ لے سکتے ہیں، بشمول غیر مسلم امیدواروں کو ووٹ دینا اور خود عہدے پر فائز ہونا۔ ([32])

---

[30] احمد، 2011، ص 67

[31] القرضاوی، 2001، ص 12

[32] احمد، 2012، ص 156

OPEN ACCESS

عبداللہ احمد النعیم اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ بطور ریاستی قانون شریعت کا پورا تصور جدید شہریت اور تکثیریت کے ساتھ غیر مطابقت رکھتا ہے۔ النعیم ایک "مابعد اسلامیت" (Post-Islamist) نقطہ نظر پیش کرتے ہیں جہاں شریعت ریاستی نفاذ کی بجائے ذاتی اخلاقیات اور شہری معاشرے کے مباحثے کا ماخذ بنتی ہے۔ یہ مؤقف مرکزی دھارے کے مسلم اسکالرز میں انتہائی متنازع ہے لیکن عصری تکثیریتی اسلامی فکر کی ایک اہم شاخ کی نمائندگی کرتا ہے۔

مسلم معاشروں میں تکثیریت کی راہ میں رکاوٹیں

اسلامی مصادر میں مضبوط تکثیریتی بنیادوں کے باوجود عصری مسلم معاشرے سماجی تکثیریت کے نفاذ میں اہم رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں۔ ان رکاوٹوں کا ایماندارانہ اعتراف کسی بھی اصلاحی منصوبے کے لیے ضروری ہے۔

تکفیر کا غلط استعمال عصری مسلم سیاست میں شاید سب سے تباہ کن رجحان ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کو سیاسی یا مذہبی اختلافات کی بنا پر کافر قرار دینے کا خارجی رجحان قرون وسطیٰ کے کیسانیہ سے لے کر موجودہ داعش تک انتہاپسند گروہوں نے زندہ کیا ہے۔ خالد ابوالفضل کا کہنا ہے کہ تکفیر قرآن کے واضح اصول "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" کی خلاف ورزی کرتا ہے جبکہ سیاسی طور پر مخالفین کو خارج کرنے کا ایک آلہ بھی ہے۔[33]

مسلم دنیا میں مذہبی اداروں کا ریاستی قبضہ مذہبی گفتگو کو ریاستی مفادات کے تابع کر چکا ہے۔ سعودی عرب کا مسلم ورلڈ لیگ کے ذریعے مذہبی مدارس پر کنٹرول ہو یا پاکستان کا وزارت مذہبی امور کے ذریعے مساجد کے خطبات پر کنٹرول، حکومتیں منظم طریقے سے غیر روادار تفاسیر کو فروغ دیتی ہیں جو ریاستی اغراض کی خدمت کرتی ہیں۔ پاکستان میں ضیاء الحق دور (1977-1988) نے جہاں اہل تشیع کے سیاسی اثر کو متوازن کرنے کے لیے فرقہ وارانہ تنظیموں (جیسے سپاہ صحابہ) کو جان بوجھ کر فروغ دیا، جس سے چالیس سال بعد بھی تشدد جاری ہے۔

تعلیمی اختیار کا بحران تمام مسلم معاشروں کو متاثر کر رہا ہے۔ روایتی مدرسہ تعلیم اکثر منجمد قرون وسطیٰ کے نصاب میں پھنسی ہوئی ہے جو جدید تکثیریتی فکر کو نظر انداز کرتی ہے، جبکہ جدید ریاستی تعلیم اسلامیات کو ایک مردہ مضمون کے طور پر پیش کرتی ہے جس کا شہریت سے کوئی تعلق نہیں۔ دونوں کے درمیان خلا ایسی نسلیں پیدا کرتا ہے جو یا تو اپنی مذہبی روایت سے بیگانہ ہیں یا سادہ سلفی تفاسیر کی طرف انتہاپسندی کا شکار ہیں۔ پرویز ہودبھائی کا کہنا ہے کہ یہ دوہرا تعلیمی نظام جان بوجھ کر اشرافیہ برقرار رکھتے ہیں جو اپنے بچوں کو جدید تعلیم دلانا چاہتے ہیں جبکہ عوام پر مذہبی تعلیم مسلط کرتے ہیں۔[34]

اسرائیل-فلسطین تنازع اور دوسرے مسلم شکوے مغربی مداخلت کے بارے میں نے عالمی سطح پر مسلم سیاست کو انتہاپسند بنا دیا ہے۔ یہ شکوے جائز ہونے کے باوجود آمرانہ حکومتوں نے تنقید ہٹانے کے لیے اور انتہاپسندوں نے بھرتیوں کے لیے آلہ کار بنائے ہیں۔ سیاسی مزاحمت کو مذہبی جنگ سے ملا دینے نے تکثیریت کو مشکل بنا دیا ہے کیونکہ تمام غیر مسلم مغربی باشندے دشمن کے طور پر فریم کر دیے جاتے ہیں نہ کہ ممکنہ پارٹنر۔[35]

تکثیریتی روایات کی احیاء کے لیے سفارشات

مندرجہ بالا تجزیے کی بنیاد پر، یہ مقالہ عصری مسلم معاشروں میں اسلامی تکثیریتی روایات کو زندہ کرنے کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے۔

---

33 ابوالفضل، 2001، ص 74

34 ہودبھائی، 2011، ص 156

35 ایسپوزیٹو، 2010، ص 187

OPEN ACCESS

اول، تعلیمی اصلاحات ناگزیر ہیں۔ مسلم ممالک کی وزارت تعلیم کو نصاب میں ان قرآنی آیات اور نبوی احکامات کو نمایاں کرنا چاہیے جو رواداری اور تکثیریت سکھاتے ہیں۔ اس میں مدینہ کے آئین کو مذہبی بقائے باہمی کے نمونے کے طور پر پڑھانا، یہودی پڑوسی کی حدیث کو بین المذاہب اخلاقیات کے نمونے کے طور پر پڑھانا، اور کلاسیکی فتاویٰ کو پڑھانا شامل ہے جو غیر مسلم حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم (ISESCO) کو نمونہ نصاب تیار کرنا چاہیے جسے رکن ممالک اپنا سکیں۔

دوم، باضابطہ بین المذاہب مکالمے کا ہر مسلم ملک میں سرکاری اداروں کے ذریعے نفاذ کیا جائے، نہ کہ محض ظاہری طور پر بلکہ حقیقی اختیارات اور فنڈنگ کے ساتھ۔ ان اداروں کو مسلمان، عیسائی، ہندو، بدھ اور دیگر مذہبی رہنماؤں کو اکٹھا کرنا چاہیے تاکہ غربت، ماحولیاتی تنزلی، اور خاندانی استحکام جیسے مشترکہ مسائل حل کیے جا سکیں۔ 2007 کا کامن ورڈ اقدام جس میں 138 مسلم علما نے مسیحی رہنماؤں کو خط لکھا، ایک نمونہ ہے۔

سوم، خاص طور پر تکثیریت کے مسائل پر اجتہاد کا احیاء کیا جائے۔ "اجتہاد کے دروازے کی بندش" کو اگرچہ تاریخی طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے، اس نے تقلید کی ایسی ثقافت پیدا کر دی ہے جو سیاقی احکام کے خلاف مزاحمت کرتی ہے۔ قومی فتویٰ کونسلوں میں روایتی فقہ کے ساتھ ساتھ مقاصد شریعت اور جدید معاشرتی علوم میں تربیت یافتہ ارکان شامل ہونے چاہئیں۔

چہارم، قانونی اصلاحات جو مسلم ممالک میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کو کلاسیکی ذمی تحفظات کے مطابق لیکن جدید شہریت کے تقاضوں کے مطابق تحفظ فراہم کریں۔ اس میں عبادت گاہوں کی تعمیر اور دیکھ بھال کے حق کی ضمانت، توہین مذہب کے قوانین کو اقلیتوں کے خلاف استعمال ہونے سے تحفظ، اور تعلیم اور روزگار میں مساوی رسائی شامل ہے۔ 2014 کا مراکش اعلامیہ جس میں 250 سے زائد مسلم علما اور دانشوروں نے مسلم اکثریتی ممالک میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی توثیق کی، ایک مثبت قدم ہے۔

پنجم، میڈیا حکمت عملیوں کی ترقی جو انتہا پسندانہ بیانیوں کا مقابلہ کریں۔ سرکاری اور نجی میڈیا کو ایسا مواد پیش کرنے کی ترغیب دی جائے جو مسلم اور غیر مسلم اتحاد کی مثبت کہانیاں دکھائے، نہ کہ صرف تنازعات اور انتہا پسندانہ تشدد کو۔

ششم، سیاسی اصلاحات جو مذہب کو سیاسی فائدے کے لیے استعمال کرنے کو کم کریں۔ ایسے قوانین بنائے جائیں جو مذہبی اقلیتوں پر حملہ کرنے والی انتخابی مہمات کو روکیں، اور سیاسی جماعتوں کو مذہبی شناخت سے آگے پالیسی پلیٹ فارم پیش کرنے کی ضرورت ہو۔

خلاصہ:

اس تحقیقی مقالے نے ثابت کیا ہے کہ قرآن، سنت، اور کلاسیکی فقہ میں اسلامی تعلیمات سماجی تکثیریت اور مذہبی رواداری کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔ زبانوں، رنگوں اور مذاہب کا تنوع قرآن میں الٰہی نشانی اور حکمت کے طور پر پیش کیا گیا ہے نہ کہ کسی حادثے یا لعنت کے طور پر۔ نبی کریم ﷺ کے عملی نمونے، خاص طور پر مدینہ کا آئین، فتح مکہ کے بعد معافی، اور مختلف مذاہب کے پڑوسیوں کے ساتھ احسان، نے ایک عملی تکثیریتی روایت قائم کی۔

تاریخی مسلم معاشروں نے اندلس کی بنو امیہ سے لے کر اناطولیہ کے عثمانیوں تک مذہبی تنوع کو بیشتر قبل از جدید مسیحی ریاستوں سے زیادہ کامیابی سے منظم کیا۔ اندلس کی Convivencia نے، اپنی حدود کے باوجود، ایسے فکری کارنامے انجام دیئے جنھوں نے یورپ اور دنیا کو تبدیل کر دیا۔ عثمانی ملت نظام نے صدیوں تک مذہبی برادریوں کے درمیان امن برقرار رکھا، یہ وہ خطہ ہے جہاں اس کے خاتمے کے بعد نسل کشی ہوئی۔

عصری مسلم معاشرے عدم رواداری، فرقہ واریت اور انتہاپسندی کا شکار ہیں اس لیے نہیں کہ اسلام میں تکثیریت کے وسائل موجود نہیں بلکہ مخصوص تاریخی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے: استعمار کے ذریعے روایتی تکثیریتی نظم کی تباہی، پیٹروڈالر سے مالی اعانت یافتہ غیر روادار سلفی نظریے کی برآمد، مذہبی اداروں کا آمرانہ قبضہ، اور سیاسی فائدے کے لیے مذہب کا آلہ کار بنانا۔

القرضاوی، رمضان، اور النعیم جیسے علمبرداروں کے ذریعے فقہ الاقلیات اور سیاقی فقہ کی ترقی ظاہر کرتی ہے کہ اسلامی فقہی فکر جدت اور موافقت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ فریم ورک مسلمانوں کو اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھتے ہوئے تکثیریتی معاشروں میں مکمل شہری کے طور پر حصہ لینے کی اجازت دیتے ہیں۔

ابتداء میں پیش کیے گئے تحقیقی سوالات کے جوابات مل چکے ہیں۔ تکثیریت کی نظریاتی بنیادیں قرآن کی آیات 30:22، 49:13، 5:48، اور 2:256 میں اور صحیح بخاری 6016 اور سنن ابی داؤد 3205 جیسی نبوی احادیث میں صراحتاً موجود ہیں۔ تاریخی نمونوں میں حمید اللہ اور لیکر کے مطابق مدینہ کا آئین، مینوکال اور کولنز کے مطابق اندلس کی Convivencia، اور بارکے اور لیوس کے مطابق عثمانی ملت نظام شامل ہیں۔ عصری مسلم معاشرے بنیادی طور پر سیاسی آمریت، تعلیمی کمی، اور بیرونی مداخلتوں کی وجہ سے جدوجہد کر رہے ہیں نہ کہ اسلامی عقیدے کی وجہ سے۔ تعلیم، قانون، میڈیا اور سیاست میں اصلاحات جن کی بنیاد مستند اسلامی مصادر پر ہو، تکثیریتی روایات کو زندہ کر سکتی ہیں۔

اس تحقیق کا مستقبل میں مزید مطالعے کے لیے درج ذیل شعبوں میں کام کیا جا سکتا ہے: مختلف مسلم معاشروں میں تکثیریتی رویوں کی پیمائش کے لیے فیلڈ اسٹڈیز، سرکاری اسکولوں کے نصاب کا تقابلی مطالعہ، اور بین المذاہب مکالمے کے پروگراموں کا تجرباتی تجزیہ۔

اسلام، جیسا کہ اس کے مصادر اور روایات سے سمجھا جاتا ہے، تکثیریت کے لیے رکاوٹ نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے۔ مسلم معاشروں کے لیے آگے کا راستہ یہ نہیں کہ وہ سیکولر مغربی ماڈلز کے لیے اسلام کو ترک کر دیں، بلکہ یہ کہ وہ اسلام کی مستند تکثیریتی روایات کو بازیافت کریں۔ جیسا کہ قرآن حکم دیتا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ[36]۔

مصادر و مراجع

ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر۔ 1961۔ احکام اہل الذمہ۔ بیروت: دار العلم للملایین۔

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر۔ 1988۔ البدایہ والنہایہ۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی۔

ابن ہشام، عبد الملک۔ 1955۔ السیرۃ النبویہ۔ قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی۔

ابو الفدل، خالد۔ 2001۔ The Place of Tolerance in Islam۔ بوسٹن: بیکن پریس۔

احمد، خالد۔ 2011۔ Sectarian War: Pakistans Sunni-Shia Violence and Its Links to the Middle East۔ کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔

احمد، طفیل۔ 2012۔ "Fiqh al-Aqalliyyat: A Critical Appraisal." Journal of Islamic Law and Society 19, no. 2: 145-168.

آرمسٹرانگ، کیرن۔ 2014۔ Fields of Blood: Religion and the History of Violence۔ نیویارک: الفریڈ اے نوف۔

الخطیب، عبد الکریم۔ 1985۔ القرآن للحیات۔ قاہرہ: دار الفکر العربی۔

[36] المائدہ، 5:48

السرخسی، محمد بن احمد۔1978۔المبسوط۔بیروت:دار المعرفہ۔

الطبری، محمد بن جریر۔1954۔جامع البیان فی تاویل القرآن۔ قاہرہ:دار المعارف۔

القرضاوی، یوسف۔2001۔فی فقہ الاقلیات المسلمہ۔ قاہرہ:دار الشروق۔

الماوردی، علی بن محمد۔1996۔الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ:دار الحدیث۔

النووی، یحیٰی بن شرف۔1995۔شرح صحیح مسلم۔ریاض:دار طیبہ۔

النعیم، عبد اللہ احمد۔2008۔Islam and the Secular State: Negotiating the Future of Sharia۔کیمبرج، ایم اے:ہارورڈ یونیورسٹی پریس۔

ایسپوزیٹو، جان ایل۔2010۔The Future of Islam۔نیو یارک:اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔

بارکے، کیرن۔2008۔Empire of Difference: The Ottomans in Comparative Perspective۔کیمبرج:کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

براوڈ، بنجمن، مدیر۔1982۔Christians and Jews in the Ottoman Empire: The Functioning of a Plural Society۔نیو یارک:ہومز اینڈ میئر۔

حمید اللہ، محمد۔1975۔The First Written Constitution in the World۔تیسرا ایڈیشن۔لاہور:محمد اشرف۔

رائے، اولیور۔2004۔Globalized Islam: The Search for a New Ummah۔نیو یارک:کولمبیا یونیورسٹی پریس۔

رمضان، طارق۔2009۔Radical Reform: Islamic Ethics and Liberation۔اوکسفرڈ:اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔

عبدہ، محمد۔1972۔تفسیر القرآن الحکیم المشہور بتفسیر المنار۔بیروت:دار المعرفہ۔

قطب، سید۔1979۔فی ظلال القرآن۔بیروت:دار الشروق۔

کولنز، راجر۔1989۔The Arab Conquest of Spain, 710–797۔اوکسفرڈ:بلیک ویل۔

لیکر، مائیکل۔2004۔The Constitution of Medina: Muḥammad's First Legal Document۔پرنسٹن:ڈاروِن پریس۔

لیوس، برنارڈ۔1998۔The Multiple Identities of the Middle East۔نیو یارک:شوکن بکس۔

مینوکال، ماریہ روزا۔2002۔The Ornament of the World: How Muslims, Jews, and Christians Created a Culture of Tolerance in Medieval Spain۔بوسٹن:لٹل، براؤن۔

نیرنبرگ، ڈیوڈ۔1996۔Communities of Violence: Persecution of Minorities in the Middle Ages۔پرنسٹن:پرنسٹن یونیورسٹی پریس۔

واٹ، ڈبلیو مونٹگمری۔1956۔Muhammad at Medina۔اوکسفرڈ:کلیرینڈن پریس۔

ہودبھائی، پرویز۔2011۔Education and the State: Fifty Years of Pakistan۔کراچی:اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔

انسٹی ٹیوٹ فار اکنامکس اینڈ پیس۔2024۔Global Terrorism Index 2024۔سڈنی:انسٹی ٹیوٹ فار اکنامکس اینڈ پیس۔

پیو ریسرچ سینٹر۔2023۔Religious Restrictions Around the World۔واشنگٹن ڈی سی:پیو ریسرچ سینٹر۔

CC BY